جموں کشمیر کے شعراء پر کلامِ اقبال کے اثرات

کلیدی الفاظ:#تہذیب#مقامی رنگ#شعری موضوعات#فنی ہنرمندی#تخلیق کار#اثر و نفوذ#دبستان#تخلیقیت#شعری مزاج۔

ڈاکٹر نصرت جبین،
شعبۂ اُردو، مرکزی جامعہ کشمیر
گاندربل، جموں وکشمیر۔۱۹۱۲۰۱
ای میل:nusraturdu@gmail.com

ملخص: شاعری کی دنیا میں استادی اور شاگردی کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود شاعری۔ادب میں اسی سے ملتا جلتا تصور اثر ونفوذ کا ہے۔اگر دیکھا جائے تو ہر شاعر کے کلام میں سابقہ شعرا کے اثرات کسی نہ کسی صورت میں موجود ہوتے ہیں جنہیں ایک تخلیق کار شعوری یا غیر شعوری طور پر قبول کرتا ہے۔اس ضمن میں نفسیاتی تنقید کے تحت کارل یونگ کے نظریۂ اجتماعی لاشعور کو مناسب اہمیت ملی جس نے ہر تخلیق کار کے یہاں کسی معاشرے کے اجتماعی حافظے کی کارکردگی پر اصرار کیا ہے۔بیسویں صدی کے دوسرے نصف کی ابتدا میں ہی جولیا کرسٹیوا نے نئے متون میں سابقہ متون کے رگ وریشے کی موجودگی پر باضابطہ طور پر بین المتونیت کا نظریہ پیش کر کے تنقیدی حلقوں میں نئے انفس وآفاق کو جنم دیا ہے۔زیرِ نظر مقالہ یوں تو جموں وکشمیر کے شعرا پر علامہ اقبال کے اثرات پر محتوی ہے لیکن اُن وجوہات کا پتہ لگانا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا جن کے تحت اقبال کا اثر دور

تک اور دیر پھیلتا جا رہا ہے۔ مقالہ نگار نے بڑی دیدہ ریزی سے جموں و کشمیر کے شعرا کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے اُن کے یہاں علامہ اقبال کے اثرات کی نشاندہی کی ہے۔ اس اعتبار سے یہ مقالہ قابلِ مطالعہ ہے۔

اردو شاعری کی تاریخ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو کچھ ایسے شعرا کے نام سامنے آتے ہیں جنہوں نے اردو شاعری کو نہ صرف موضوعاتی سطح پر مالا مال کر دیا بلکہ فنی نقطہ نگاہ سے بھی ہمہ جہت بنا کے رکھ دیا۔ اس اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اردو شاعری کو کسی بھی ترقی یافتہ ادب کے ہم پلہ کر دیا۔ اُن شعرا میں سے اہم نام ڈاکٹر اقبال کا ہے۔ انہوں نے اردو شاعری کو ایک نئی راہ دکھائی۔ یہ اردو ادب کی خوش اقبالی تھی کہ اسے اقبال جیسا نابغۂ روزگار شاعر نصیب ہوا بلکہ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اردو شاعری کا ایک نیا دبستان وجود میں آیا جسے ہم ''دبستانِ اقبال'' کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن اور اپنے کلام میں ایک جامع فکری نظام کے حامل شاعر تھے۔ علامہ اقبال کے کلام کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ یہ اپنی رنگارنگی کی بدولت شہرتِ عام اور بقائے دوام کے دربار میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوا۔ اس حوالے سے یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ ''اقبالیات'' نے دنیائے ادب میں ایک مشہور اصطلاح کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اپنے شعری اسلوب اور مخصوص پیغام کی وجہ سے اقبال کو اردو شاعری کی تاریخ میں ایک انفرادیت حاصل ہوگئی ہے۔ اقبال کے ابتدائی دور کی شاعری پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے

جب شاعری کا آغاز کیا تو اس زمانے کے مشہور شاعر داغؔ دہلوی سے رجوع کیا لیکن جلد ہی داغؔ نے یہ کہہ کر کلام واپس کر دیا کہ اب اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری کے ابتدائی زمانے ہی میں علمی و ادبی حلقوں میں جس طرح اپنی جگہ بنائی اس جیسی مثالیں اردو ادب میں بہت کم دکھائی دیتی ہیں۔ انہوں نے اپنے فکر وفن کی تعمیر میں جس طرح دوسرے علوم اور عالموں سے بہت کچھ لیا اسی طرح ان کے کلام کے اثرات نہ صرف برصغیر پر بلکہ برصغیر سے باہر کے ادبا اور عالموں پر بھی پڑے۔ اگر چہ بیرونی دنیا تک اقبال کی شہرت ''اسرارِ خودی'' کی اشاعت کے بعد دور دور تک پہنچی۔ اثر ونفوذ کا معاملہ صرف شاعری تک محدود نہ تھا بلکہ اقبال کے سیاسی افکار نے بھی اپنے عہد اور اپنے ہمعصروں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ ان کے فکر وفن کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ پوری دنیا میں اور خاص کر برصغیر میں اردو اور فارسی پڑھنے اور بولنے والوں کے ذہنوں پر اقبال کی شاعری کے اثرات بہت دوررس اور گہرے ہیں۔ اقبال کو بہت کم عمری میں ہی وہ شہرت اور عظمت حاصل ہوئی جو بہت کم شعرا کے نصیب میں آتی ہے۔ لاہور کے ایک مشاعرے میں عنفوانِ شباب میں اقبالؔ نے جب یہ شعر پڑھا ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

تو مشاعرے میں موجود اس وقت کے ایک اہم اردو شاعر ارشد گورگانی کے منہ سے بے ساختہ یہ کلمات ادا ہوئے: ''اقبالؔ اس عمر میں ایسا شعر''۔ یہ نہ

صرف ارشد گورگانی کی داد و تحسین تھی بلکہ ایک صاحبِ ذوق ادیب کی سند بھی تھی جسے بعد میں دور تک اور دیر تک اقبال کی پہلودار شعری شخصیت کے ابھرنے کا پیش خیمہ سمجھا گیا اور بعضوں کے نزدیک ادبی دنیا میں اقبال کا اقبال ہمیشہ بلندی کی طرف ہی گامزن رہا۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''زندگی میں علامہ اقبال روشن خیالی اور ملّا دشمنی کے باعث وطن میں متنازعہ رہے مگر انتقال کے بعد سے اُن کا کلام اور پیغام گُلِ تازہ کی مہک کی مانند پھیلتا گیا اور اِس وقت اقبال شناسی کی بین الاقوامی روایت تشکیل پا چکی ہے۔ اسلامی ممالک کے ساتھ ساتھ یوروپ، امریکہ حتیٰ کہ روس میں بھی علامہ اقبال کے افکار سے دلچسپی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ دنیا کی متعدد زبانوں میں اُن کی شاعری کے تراجم ہو چکے ہیں اور نامور سکالرز اُن کے افکار کی تشریح و توضیح میں بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔''[1]

اقبالؔ کی شاعری کے اثرات نہ صرف ان کے معاصرین پر پڑے بلکہ شعرائے مابعد کے شعری منظرنامے میں بھی ہمیں بہت سے شعرا کے ہاں کلامِ اقبال کے اثرات دکھائی دیتے ہیں اور یہ تطبع ہمیں فکر اور فن دونوں زاویوں سے دیکھنے کو ملتا ہے۔ اقبال کے ہم عصر شعرا میں الطاف حسین حالی، اکبر الہ آبادی، شبلی نعمانی، نادر کاکوروی، درگا سہائے سرور، سیماب اکبرآبادی، عظمت اللہ خان، جگر مرادآبادی، جوش ملیح آبادی، حفیظ جالندھری وغیرہ بہت اہم ہیں۔ یہ تمام شعرا ہمیں کہیں نہ کہیں ایک ہی محور و

مرکز کے گرد گھومتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔اسی طرح مابعد شعرا میں اسد ملتانی، جمیل مظہری، ماہرالقادری، ن۔م۔راشد، علی سردار جعفری، احسان دانش، جگن ناتھ آزاد وغیرہ اقبال کی شاعری سے بررا ہِ راست متاثر نظر آتے ہیں۔ برصغیر پر انگریزی حکومت اور ان کی تہذیب وثقافت اور عالمی سطح پر مسلمانوں کی سیاسی صورتحال اور پھر سرسید تحریک کی شروعات کے نتیجے میں جو ماحول تیار ہو گیا ان شعرا کے ہاں ہمیں اس تمام صورتحال کی درد مندانہ ترجمانی دیکھنے کو ملتی ہے۔ جب الطاف حسین حالی اپنی نظم ''مدوجزر اسلام'' میں کہتے ہیں ؎

انہیں کل کی فکر آج کرنی سکھا دے
ذرا ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دے
کمیں گاہ بازئ دوراں دکھا دے
جو ہونا ہے کل آج ان کو سمجھا دے
چھتیں پاٹ لیں تا کہ باراں سے پہلے
سفینہ بنا رکھیں طوفاں سے پہلے

مولانا الطاف حسین حالؔی نے ملّی اور قومی مسائل اور مسلمانوں کے عظمت رفتہ کی روداد پیش کی ہے۔ اپنے شاندار ماضی، موجودہ دور کی پستی اور سرسید تحریک سے پیدا شدہ نئے چیلنجز کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ اقبال اپنی نظم ''خطاب بہ جوانانِ اسلام'' میں کہتے ہیں ؎

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت
کُچل ڈالا تھا جس نے پاؤں سے تاجِ سرِ دارا

اس تناظر میں نظم کے معروف نقاد پروفیسر کوثر مظہری لکھتے ہیں ۔

''اقبالؔ بھی حالیؔ کی طرح ماضی کے مظاہر کو زندہ استعارہ تصور کرتے ہیں۔ جو اسلامی تہذیب اور کلچر سے ذہنی مطابقت رکھتے ہیں۔ حالیؔ کے یہاں فکری تغیر کم ہوا ہے مگر اقبال کا فکری تغیر ''بانگِ درا'' سے چل کر'' بالِ جبریل''، ''ضربِ کلیم'' اور''ارمغان ِحجاز'' تک بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے۔حالی نے قومی وملّی احساس،تہذیبی وثقافتی عناصر کی بازیافت، حب الوطنی کے جذبات، معاشرے اور فرد کے رشتے پر مشتمل شاعری کی ہے۔''۲

شعرائے جموں وکشمیر بھی اقبال کے سحر سے خود کو آزاد نہیں کر سکے ۔جب ہم جموں وکشمیر کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہاں کے اہم شعرا اقبالؔ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ان میں برج نارائن چکبست ،امین حزین، غلام احمد مہجور،صوفی غلام مصطفیٰ ،آنند نارائن ملّا ، اثر صہبائی ، غلام رسول نازکی ،غلام حسن قادری ،غلام احمد فاضل کشمیری،شورش کاشمیری ، غ۔م۔ طاوس وغیرہ اہم اور قابل ذکر ہیں۔

پنڈت برج نارائن چکبست

پنڈت برج نارائن چکبست کشمیری برہمن خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ان کی پیدائش ۱۸۸۲ء میں فیض آباد میں ہوئی۔نو(۹) برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔چکبست کی شاعری کی جو اساس ہے وہ اقبال کی طرح تاریخی شعور کے ساتھ ساتھ قومی اور تہذیبی اقدار پر مبنی ہے۔چکبست بھی اقبال کی طرح مغربی تہذیب کے برے اثرات سے بخوبی واقف تھے۔انہیں اپنے اسلاف کے اخلاق اور نمونۂ کردار پیارے تھے۔ وہ اقبال کی طرح اپنی تہذیب کو افضل سمجھتے ہیں۔چکبست کے نزدیک مغربی تہذیب و ثقافت نے ہماری قومی وراثت کو مجروح کر دیا ہے۔چکبست کو اپنے اس تمدنی اور تہذیبی بحران پر افسوس ہے۔جس سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال اور چکبست کی فکر میں کتنی ہم آہنگی ہے۔اقبالؔ کے درج ذیل اشعار دیکھئے ۔

حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیبِ حاضر میں
بھڑک اُٹھا بھبھوکا بن کے مسلم کا تنِ خاکی
نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی
تغیر آ گیا ایسا تدبر میں تخیل میں
ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی
کیا گُم تازہ پروازوں نے اپنا آشیاں لیکن
مناظر دل کُشا دکھلا گئی ساحر کی چالاکی

حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت، خود فراموشی، ناشکیبائی، ہوس نا کی

اسی تناظر میں چکبست کے یہ اشعار دیکھے ؎

نئی تہذیب کے صدقے نہ شرمانے دیا دل کو
رہے منطق کے پردے میں کرشمے بے حیائی کے
رات دن عین پرستی پہ نظر رہتی ہے
ہوسِ دولت و زر شام و سحر رہتی ہے

اقبال اور چکبست کے ان اشعار کو پڑھ کر ایسا لگ رہا ہے جیسے دونوں شاعر ایک ہی خیال کو پیش کر رہے ہوں اور اقبال ہی کی طرح چکبست بھی تہذیبی بحران پر نوحہ کناں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ نوجوانوں میں اخلاقیات کے عناصر کی ترتیب ہو اور ساتھ ہی علوم و فنون کی تحصیل ہو اور اسلاف کے کمائے ہوئے اقدار کا تحفظ بھی ہو۔ ان کے ہاں اقبال کے جیسے موضوعات جابجا پڑھنے کو ملتے ہیں بلکہ مکمل طور پر اقبال کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ چکبست بھی اقبال ہی کی طرح ملّی اور قومی شاعر ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ اقبال کے ہاں غلبہ اسلامی تہذیبی و ثقافت کی نمائندگی کا ہے جب کہ چکبست کے ہاں مشترکہ ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ اقبال کی نظم ''خطاب بہ جوانانِ اسلام'' کا یہ آہنگ دیکھ لیجئے ؎

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے

جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیئل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

اس مناسبت سے چکبست کے یہ اشعار دیکھئے ؎

علم و اخلاق کے دامن پہ تمہارے ہیں یہ داغ
جو بزرگوں نے لگایا تھا، اجڑتا ہے وہ باغ
تم کو اللہ نے بخشے ہیں وہ دل اور وہ دماغ
جس سے روشن ہو زمانے کی ترقی کا چراغ
اک ذرا جذبۂ اخلاق کو اعلیٰ کر دو
قومِ مرحوم کی تربت پہ اجالا کر دو

اقبال کے ہاں خواتین کی تعلیم و تربیت کے متعلق جو تصورات ہیں وہی چکبست کے ہاں ہمیں ملتے ہیں۔ اقبال نے خواتین کے متعلق زیادہ کچھ نہیں کہا بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں جس طرح انہوں نے اپنے مختلف تصورات کو تفصیل یا وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ تصورِ عورت اس طرح ان کے ہاں وسیع موضوع نہیں ہے مگر محدود دائرے میں ہی انہوں نے جو کچھ خواتین کے متعلق کہا ہے چکبست کے ہاں بھی ہمیں بالکل وہی انداز

بیان ملتا ہے ؎

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ امومت
ہے حضرت انسان کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دین سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت

(عورت اور تعلیم، مشمولہ ضرب کلیم)

اب اس تصور کو چکبست کے یہاں دیکھیے ؎

روشِ خام پہ مردوں کی نہ جانا ہرگز
داغ تعلیم میں اپنی نہ لگانا ہرگز
نقل یورپ کی مناسب ہے مگر یاد رہے
خاک میں غیرتِ قومی نہ ملانا ہرگز

(نظم پھول مالا، مشمولہ صبح وطن)

برصغیر میں اُردو کے معروف شعرا نے یوں تو علامہ اقبالؔ کے اثرات تو قبول کر ہی لیے ہیں اور اقبال کے ہی پیرایہ میں اپنا اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اقبال کی کلی طور پر تتبع نہیں کر سکے تاہم کچھ اثرات اِن کے یہاں یقیناً پائے جاتے ہیں۔

امین حزین

امین حزیں کی پیدائش ۱۸۸۴ء میں پنجاب کے مردم خیز شہر سیال

کوٹ میں ہوئی ۔ اِن کے آباواجداد کشمیری النسل تھے ۔ علامہ اقبال کے استاد سید میر حسن کے سامنے امین حزیں بھی زانوائے ادب تہہ کیا کرتے تھے۔ اِن دونوں کے درمیان موانست کی کئی سطحیں موجود تھیں۔ اُن دونوں (علامہ اقبال اور امین حزیں) کے اسلاف کشمیری النسل تھے اور دونوں کا وطن سیالکوٹ ۔ خطۂ کشمیر سے محبت نے دونوں شعرا سے شاعرانہ انداز میں اظہار پایا۔ اقبال اپنے اسلاف کے وطنِ مالوف کے بارے میں کہتے ہیں کہ ؎

پانی تیرے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب
مرغانِ سحر تیری فضاؤں میں ہیں بیتاب
اے وادیٔ لولاب، اے وادیٔ لولاب

اسی طرح امین حزیں اپنے اصلی وطن کے بارے میں محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ؎

سبزۂ بیدار ہے باراں کی مسیحائی سے
غنچہ کچھ کہنے کو ہیں عاشقِ ہرجائی سے

شاعری کے شوق نے بچپن ہی سے انہیں ادب کی شاہراہوں کا مسافر بنا دیا تھا۔ پہلے الگ لب و لہجے میں شاعری کرتے تھے لیکن بعد میں علامہ اقبال کا انداز اختیار کر کے انہیں کے طرز میں شعر کہتے رہے۔ کلامِ اقبال کی تاثیر سے امین حزیں بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔

ڈاکٹر اقبال کے مقابلے میں امین حزیں کا مطالعہ گہرا اور وسیع نہیں ہے مگر وہ اقبال ہی کی طرح انسان کو مسلسل کوشش اور حرکت وعمل میں دیکھنا

چاہتے ہیں۔ڈاکٹر پریمی رومانی لکھتے ہیں:

''امین حزیں کا شعری مجموعہ ''گلبانگِ حیات'' شائع ہو چکا ہے۔اس میں غزلیں، نظمیں اور قطعات شامل ہیں۔اس مجموعہ کا پیش لفظ سر عبدالقادر نے لکھا ہے اور اس کا انتساب علامہ اقبال کے نام کیا گیا ہے۔یہ رنگا رنگ شاعری کا مجموعہ ہے۔اس میں اصلاحی، اخلاقی اور خطیبانہ شاعری کے ساتھ ساتھ زندگی کی تفسیر، یقینِ محکم اور خودی کے تصورات ملتے ہیں۔''[۳]

امین حزیں نے اقبال کی طرزِ فکر سے ہمیشہ استفادہ کیا ہے۔اقبال کا شعر ہے

خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے بیدارئ کائنات

اس مضمون کو امین حزیں نے اس طرح اپنی شاعرانہ بھٹی میں کندن بنا دیا ہے۔کہتے ہیں کہ

کہتے ہیں خودی جس کو آئینہ ہے جوہر کا
بن اس کے امین جوہر رہتا ہی نہیں جوہر

غلام احمد مہجور

پیرزادہ غلام احمد مہجور کشمیری زبان کی شاعری میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔وہ کشمیری کے ساتھ ساتھ اردو اور فارسی زبان و ادب پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔مہجور کو کشمیری شعرا میں ایک اونچا مقام

حاصل ہے۔ وہ کشمیر کے قومی شاعر کہلاتے ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۸۸۵ء میں ہوئی۔ انہوں نے وہی زمانہ پایا جو علامہ اقبال کا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں علامہ اقبال نے یورپ کا سفر کیا اور اسی سال میں مہجور نے اقبال کے شہر پنجاب کا علمی سفر کیا۔ مہجور بھی اس وقت کے اہم شعرا کی طرح اقبال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری اس بابت لکھتے ہیں کہ:

''وہ لاہور میں ''انجمنِ حمایت الاسلام'' کے ان جلسوں میں بھی شامل رہے جن میں علامہ اقبال ''شکوہ'' جیسی روایت شکن نظمیں سنایا کرتے تھے۔ مہجور پر ان تمام عوامل نے اثر کیا..... علامہ اقبال کے افکار بھی بڑے حسین پیرائے میں ادھر تانک جھانک کرتے رہے۔'۴؛

مہجورؔ نے اقبالؔ کا اثر قبول کرتے ہوئے کہا ہے کہ ؎

بتا اے مسلم کشمیر کبھی سوچا بھی ہے تو نے
تو ہے کس گلشنِ رنگین کا برگِ شاخِ عریانی
تیرے اسلاف تھے وہ جن کے علم و فضل کے آگے
ادب سے جھکتے تھے دانشورانِ ہند و ایرانی

(خطاب بہ مسلم، مہجور کشمیری)

یہ اشعار علامہ اقبال کی مشہور نظم ''خطاب بہ جوانانِ اسلام'' کا ہو بہ ہو عکس محسوس ہوتی ہے جس میں اقبال فرماتے ہیں ؎

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے آبا سے اپنے نسبت کوئی ہو نہیں سکتی
تجھے اُس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا پاؤں سے تاجِ سرِ دارا

(خطاب بہ جوانان اسلام، بانگ درا)

اقبال کی شاعری کے اثرات مہجور کی اردو شاعری کے ساتھ ساتھ ان کی کشمیری شاعری میں بھی نمایاں ہیں بلکہ مہجور کو اگر کشمیری شاعری کا اقبال کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

صوفی غلام مصطفیٰ

صوفی غلام مصطفیٰ نام اور تبسّم تخلص، ۴/ اگست ۱۸۹۹ء کو امرتسر پنجاب میں پیدا ہوئے۔ اِن کے اجداد نے کسی زمانے میں اپنے وطن کشمیر کو چھوڑ کر امرتسر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ صوفی تبسّم کا شمار بھی اقبال کے ہم عصر شعرا میں ہوتا ہے۔ اقبال کی شاعری سے اُن کے اکثر ہم عصر شعرا کی طرح تبسّم بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ تبسّم نے فکر کے ساتھ ساتھ فنّی لحاظ سے بھی اقبال کا تتبع کیا ہے۔ انہوں نے اقبال کی طرح اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی زبان میں بھی اپنے تخلیقی جواہر پاروں کو پیش کیا ہے۔ دونوں شعرا کے یہاں تشبیہات و استعارات کی مماثلت بھی اکثر و بیشتر دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ہر جگہ اقبال کی تقلید کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال کے تصوراتِ مردِ مومن اور خودی کو صوفی تبسّم نے بھی اپنے انداز میں پیش کیا ہے۔ زندگی اور زمانہ کے متعلق تبسّم کے نظریات بھی اقبال ہی کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں

ے

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اسی طرح صوفی تبسّم کہتے ہیں کہ

ہر اک نفس میں نہفتہ حیاتِ نو کی لگن
ہر اِک نگاہ تری تازہ سرخوشی کی لگن

اقبال کا شعر ہے

نہ بادہ ہے نہ صراحی نہ دورِ پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگین ہے بزمِ جانانہ

تبسّم کا شعر ہے

جہانِ سرور میسر تھا جام و مے کے بغیر
وہ مے کدے بھی ہماری نظر سے گزرے ہیں

آنند نارائن ملاّ

آنند نارائن ملاّ کشمیری النسل تھے۔ اُن کا خاندان کشمیر کو خیر باد کہہ کے کلکتہ ہجرت کر چکے تھے۔ آنند کی پیدائش ۱۹۰۱ء میں لکھنؤ میں ہوئی ۔ملاّ نے اُس زمانے میں شعر کہنے شروع کر دیے جب اقبال کا اقبال بلند تھا۔ملاّ نے بھی اُن سے گہرے اثرات قبول کر لیے۔ وہ نہ صرف اقبال کی شاعری بلکہ اُن کی شخصیت سے بھی کافی متاثر رہے ہیں۔ اقبال اور آنند کے یہاں موضوعاتی اعتبار سے بہت مماثلت اور ہم آہنگی کا انداز دکھائی دیتا ہے۔ یہاں موضوعاتی یک رنگی پر مبنی دونوں کے اشعار ملاحظہ کیے

جاسکتے ہیں۔اقبال کا شعر ہے

زندگی انسان کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں
دم ہوا کی موم ہے، دم کے سوا کچھ نہیں

آنند نارائن ملاّ کا شعر ہے

دو دن کی زندگی میں بھی نشتر ہر ایک سانس
کن کن جراحتوں کو تبسّم بنائے گل

اقبال کا شعر ہے

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

ملاّ کہتے ہیں

تیرے کوہ و در یا جمالِ آفرین
تیری وادیاں رشکِ خلدِ بریں

نارائن ملاّ کے یہاں اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جہاں وہ اقبال کی نہ صرف موضوعاتی سطح پر بلکہ فنّی سطح پر بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ برج پریمی لکھتے ہیں:

''آنند نارائن ملاّ نے اقبال کی روایت آگے بڑھانے میں خاص کوشش کی ہے اور اُس کو دور دور تک پھیلانے میں ایک کامیاب رول ادا کیا ہے۔ اقبال کے خیالات، علائم، تراکیب اور تشبیہات و استعارات جس سلیقے سے ملاّ نے اپنی غزلوں میں برتنے کی کوشش کی ہے وہ ان کو علامہ اقبال

کے ہم عصروں میں ایک نمایاں اور اہم مقام دلاتی ہیں۔'۵

اقبال کے کلامِ فارسی کا اثر ونفوذ ملاّ کے یہاں جستہ جستہ دیکھنے میں آتا ہے ۔''پیامِ مشرق'' کے بہت سے قطعات کا ملاّ نے انگریزی میں ترجمہ کیا جس کی بنیاد پر وہ اپنے حلقۂ یاراں اور دوسرے ادب دوستوں میں خوب دادوتحسین وصول کر چکے ہیں۔

اثر صہبائی

اِن کا اصل نام خواجہ عبدالسمیع پال مگر علمی اور ادبی حلقوں میں اثر صہبائی کے نام سے مشہور تھے۔ اُن کے آباو اجداد نے کشمیر کو چھوڑ کر سیالکوٹ لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی ۔ صہبائی ۱۹۰۱ء میں سیالکوٹ ہی میں پیدا ہوئے۔ شعر و شاعری سے صہبائی کو بچپن سے ہی شغف تھا۔ یہ وہ دور تھا جب کلامِ اقبال کی گونج اُردو دنیا کے گوشے گوشے میں سنائی دیتی تھی ۔ اس طرح اثر صہبائی بھی شاعرِ اقبال کے صہبائی اثر سے بچ نہ سکے اور اسی کے رنگ میں رنگنے کی شعوری اور غیر شعوری کوشش کی ۔ علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں جو تصورات پیش کیے ہیں اُن کو صہبائی نے اپنی شاعرانہ ہنرمندی اور فکری گیرائی اور گہرائی کے ساتھ اپنے اشعار میں پیش کرنے کی عمدہ کوششیں کی ہیں۔ حالاں کہ اثر صہبائی کا انداز واسلوب اگرچہ جداگانہ ہے تاہم اقبال سے اثر ونفوذ کا سلسلہ ایک قاری دور سے محسوس کر سکتا ہے۔ اقبال کے تصورِ انسان اور تصورِ حسن وعشق کو صہبائی نے اپنے انداز سے شاعری کے پیرائے میں احسن طور پر بیان کیا۔ اقبال کہتے ہیں

محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حُسن
آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حُسن
حُسن ہی حُسن سے معمور ہے پہنائے جہاں
ذرے ذرے میں گلستاں نظر آتا ہے مجھے
تسلیم کی خوگر ہے جو چیز ہے دنیا میں
انسان کی ہر قوت سرگرمِ تقاضا ہے

(ماخوذ از نظم ''انسان'' از اقبالؔ)

اب یہاں پر اثر صہبائی کی نظم ''روحِ انسان'' کے یہ اشعار دیکھئے

کوئی پا نہیں سکتا گہرائیاں انسان کی
عقل کے بس کی نہیں پنہائیاں انسان کی

اقبال کا شعر ہے

گماں آبادِ ہستی میں یقین مردِ مسلمان کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

اب صہبائی کا شعری دیکھئے

مل جائے اگر ذوقِ یقیں کی مجھے دولت
پھر اشکِ دو عالم میری وقعت و عظمت

اقبال کا شعر ملاحظہ فرمائیں

حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گونا گوں

صہبائی کا شعر ہے

ٹوٹ کے دریا میں ہو جاتے ہیں غرق
پھر سکونِ بے خودی پاتے ہیں ہم

اقبال کا شعر دیکھئے

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

صہبائی

عشق میں آتی ہے لذت زہرِ غم کھانے کے بعد
زندگی ملتی ہے یاں جاں سے گزر جانے کے بعد

اپنے بہت سے موضوعات میں اقبال سے ہم آہنگی کی بنا پر اثر صہبائی اقبال کے بہت قریب ہیں ۔ اثر صہبائی نے اقبال کے کلام سے مستقل روشنی حاصل کرتے ہوئے اُن کے آہنگ و زبان کے برتاؤ کے وسیلے سے اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا ہے۔اس طرح اقبال کے اکثر معاصرین میں سے اثر صہبائی کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

غلام رسول نازکی

جموں وکشمیر کے اردو شعرا میں میر غلام رسول نازکی ایک مشعل بردار شاعر کی حیثیت سے معروف ہیں جنھوں نے اپنی عمرِ عزیز کا ایک ایک پل زبان کی ترویج اور تخلیق کی قندیلیں روشن کرنے میں صرف کیا ۔ اردو میں ان کے تین مجموعہ جات ''دیدۂ تر''، ''متاعِ فقیر'' اور ''چراغِ راہ'' کے عنوانات سے زیور طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اہل ذوق حضرات سے داد و تحسین وصول کر چکے ہیں۔ان کا شمار جموں وکشمیر کے کہنہ مشق شعرا

میں ہوتا ہے۔ اردو کے اکثر شعرا کی طرح نازکی نے بھی علامہ اقبال کی شاعری کے سحر میں کھو کر شعر کہے ہیں

گفتگو کل ہو رہی تھی بلبل و شہباز میں
دے دیا بلبل نے شاہین کی تعلّی کا جواب
ہے بظاہر تلخ، لیکن یہ حقیقت ہے جناب
زندگی ہے سیکڑوں تاروں کی مرگِ آفتاب

(میر غلام رسول نازکی)

غلام احمد فاصل

غلام احمد فاضل کشمیری (۱۹۱۶ء)، جو کشمیری زبان کے سربرآوردہ شاعروں میں شمار ہونے کے ساتھ ساتھ کشمیر میں اردو شعرا کی فہرست میں بھی ایک اہم نام ہے۔ ان کا اردو کلام مجموعہ کی صورت میں ''گلدستۂ فاضل'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے جو غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے۔ فاضل کے کلام کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ اقبال کے فکر و فن سے بہت متاثر تھے۔ اقبال کی تقلید کی مثالیں ان کے کلام میں جستہ جستہ دستیاب ہیں۔ ان کے کلام کے حوالے سے ناقدین نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی الگ پہچان قائم کی ہے اور فاضل کشمیری کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے مگر اقبال کے اشعار سے وہ کبھی بھی اپنی شاعری کا دامن چھڑا نہیں سکے۔ اقبال کے متعلق ان کی ایک نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائے

ہے صریرِ نو میں تیرے وہ سرودِ دلنواز

محو ہو جاتے ہیں جس کو سنتے ہی نغمہ طراز
ہے ثریّا سے بھی بالاتر اراہ وارِ خیال
کہکشاں چھو لے اسے، کیا تاب اس کی، کیا مجال

(نظم ''خامۂ اقبال، فاضل کشمیری)

فاضل کشمیری فکرِ اقبال سے متاثر ہونے کے علاوہ ان کی پیروی کرتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں ؎

دامنِ خورشیدِ خاور میں چھپی تھی روشنی
اور خلا میں ہر طرف چھائی ہوئی تھی خامشی
اک اندھیری سی فضا میں طرف مستور تھی
نورِ یزدانی سے مشرق کی جبین پر نور تھی

(صبحِ تاباں)

ان اشعار کے مطالعے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان میں اقبالؔ کی روح حلول کر گئی ہے۔ اس لیے اس نظم میں فاضل نے اقبالؔ کے فکر و فن کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور نظم ''جنازۂ اقبال'' کے عنوان سے شاعر مشرق کے انتقال کے بعد فاضل کشمیری نے تحریر کی ہے۔ جس سے ان کی اقبال سے عقیدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

شورش کاشمیری

نام عبدالکریم المتخلص بہ شورش کاشمیری، ان کی پیدائش ۱۹۱۷ء کو لاہور میں ہوئی۔ شعر و ادب کے ساتھ بچپن سے ہی لگاؤ تھا۔ اقبال کی سحر انگیز شاعری کا مطالعہ بچپن میں ہی کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شاعرِ اقبال کا پرتو

شورش کے کلام میں بھی جھلکتا ہے۔شورش نے کلامِ اقبال کو سراہا بھی اور اُس سے استفادہ بھی کیا ہے۔اُن کو ایک عظیم شاعر اور راہنما بھی قبول کرتے تھے مگر وہ ساتھ ساتھ اقبال کی بے عملی کے شاکی بھی تھے۔اقبال کے متعلق کہتے ہیں

اک رنگِ نو بہار فضاؤں پہ چھا گیا
اقبال اس چمن کی رگوں میں سما گیا
اُٹھا تھا ایشیا سے جو درویشِ بے کلیم
اپنی نوا سے مشرق کو مغرب پہ چھا گیا

غ۔م۔طاؤس

غلام محمد میر المتخلص بہ طاؤسؔ ۱۹۱۹ء کو پانپور کے مقام پر اس عالمِ خاک و باد میں نمودار ہوئے۔اپنا تخلص ''طاؤس'' علامہ اقبال کے اس شعر سے منتخب کیا ہے۔

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے، طاؤس فقط رنگ

کشمیر کے اس زمانے کے بہت سے شعرا کی طرح طاؤسؔ بھی فکرِ اقبال سے متاثر ہوئے۔ان کی ایک نظم ''آرزو'' کے نام سے چھپی ہے۔جس کا آہنگ اقبالؔ کی مشہور نظم ''ایک آرزو'' کا ہے۔

دنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یارب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

جن احساسات و جذبات کا اظہار اقبالؔ نے اس نظم میں کیا ہے اسی طرح

کی آرزو طاؤسؔ نے بھی اپنی درج ذیل نظم میں کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

زندگانی میں میسر ہو مجھے دل کا سکون
موت آجائے تو مرکر نوحہ خواں کوئی نہ ہو

طاؤسؔ کے طرزِ سخن اور اقبال کے اثرات کے بارے میں عبدالقادر سروری لکھتے ہیں کہ:

''اقبال اردو کے بہت سے شعرا کی
طرح کشمیر کے اکثر شعرا کے لیے الہام کا
باعث ہوئے۔''٦

ان شعرا کے علاوہ جموں وکشمیر کی اردو شاعری سے بیسیوں شعرا کی مثالیں دی جاسکتی ہیں جن کے ہاں اقبال کی اقبالیت کا جگہ جگہ پرتو ملتا ہے۔ اس تعلق سے اختصار کے ساتھ عرض ہے کہ کشمیر کے ایک اور شاعر محمد امین کامل ہیں جن کی ایک مشہور نظم ''مسجد داراشکوہ'' ہے جو علامہ اقبال کی نظم ''مسجد قرطبہ'' اور ؛مسجد قوت الاسلام؛ کے آہنگ میں تخلیق کی گئی ہے۔

جموں وکشمیر میں اُردو شاعری کی تاریخ میں شروع سے لے کر موجودہ دور تک مندرجہ بالا شاعروں کے علاوہ دوسرے شعرا بھی اقبال کی فکر اور فن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اسی طرح پنڈت وشوناتھ دھر، جودھر کاشمیری اور ماہ جموی دونوں ناموں سے لکھتے تھے، لاہور میں قیام کے زمانے میں علامہ اقبال کی محفلوں میں جایا کرتے تھے۔ اقبال کی شاعری کے اثرات اُن کے کلام میں موجود ہیں۔ انہوں نے اپنی ایک نظم میں حُسن کو لازول ظاہر کیا ہے جس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نظم

انہوں نے اقبال کی نظم ''زوالِ حُسن'' کے تتبع میں تخلیق کی ہے۔ پیرازادہ غلام حسن قادری (پانپور کشمیر) کا کلام نہ صرف فکر بلکہ اسلوب کے اعتبار سے بھی اقبال کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ ایک اور اہم شاعر شہ زور کاشمیری (پیدائش: سرینگر، کشمیر) اُس دور کے اکثر شعرا کی طرح کلامِ اقبال کے اثرات سے بہت متاثر رہے۔ جموں وکشمیر کے ایک اور شاعر قیصر قلندر بھی اقبال سے متاثر ہوئے بغیر بھی نہیں رہ پائے۔ اُن کے کلام میں بھی کہیں کہیں اقبال کا پَرتو دکھائی دیتا ہے۔ جموں وکشمیر میں اقبال کے زمانے سے اُردو شاعری کی جو تاریخ رہی ہے اُس میں اقبال کے فکر وفن کے پَرتو ہر جگہ نہاں اور عیاں ہیں۔ مختصراً یہ کہ ان تمام شعرا کے کلام کے مطالعے سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ اقبال کی اصلاحی، اخلاقی، ملّی، مذہبی اور خطیبانہ شاعری کے علمبردار ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنی فکر، فلسفہ اور فن سے نہ صرف اپنے معاصرین کو متاثر کرتے رہے بلکہ آنے والی نسلوں پر بھی اپنا اثر ڈالتے رہے۔ یہ ان کے فکر وفن کی عظمت ہے کہ ان کے جلائے ہوئے چراغ سے نہ صرف اُن کے معاصر شعرا روشنی حاصل کرتے رہے بلکہ آنے والی نسلوں نے بھی اپنی اپنی صوابدید کے مطابق ان سے کسبِ نور حاصل کیا۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۵، اشاعتِ اول، ص: ۴۴۱

۲۔کوثر مظہری،جدید نظم : حالی سے میراجی تک ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۷،ص: ۸۰

۳۔ ڈاکٹر پریمی رومانی ، اقبال اور جدید اُردو شاعری (تحقیق و تنقید)، عالمی میراث پبلی کیشنز، پونے ،۲۰۲۲، بارِدوم،ص:۱۳۰

۴۔ پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، حصہ اول، ۱۹۹۳، جموں وکشمیر کلچرل اکادمی، سرینگر،ص:۱۸۱۔۱۸۲

۵۔اقبال اور جدید اُردو شاعری (تحقیق وتنقید)''،ص:۲۲۲

۶۔ پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر میں اردو، حصہ اول، ۱۹۹۳، جموں وکشمیر کلچرل اکادمی، سرینگر،ص:۳۸۸

☆☆☆